تدوین فقہ کی تاریخ

ایک مطالعہ

سنی مذاہب اربعہ کی تاریخ۔ جائزہ

"حصہ اخیر"

از شیما ربانی

لیکچرار پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس گرلز کالج کراچی

مذہب شافعی:

شافعی مذہب کے بانی امام محمد بن ادریس شافعیؒ ہیں جو کہ ۱۵۰ھ میں غزۃ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں مصر انتقال کر گئے اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ان کا سلسلہ نسب عبد مناف پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

امام شافعیؒ ۱۵۰ھ میں غزۃ (فلسطین) اور بقول دیگر عسقلانی میں پیدا ہوئے۔یہ بچپن میں یتیم ہو گئے تھے،ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عبید اللہ بن حسن بن حسین تھا۔وہ انہیں دو سال کی عمر میں مکہ لئے گئیں وہاں کچھ عرصے مقیم رہیں،بعد میں جب امام صاحبؒ دس برس کے ہوئے تو دوبارہ مکہ گئے اور وہیں پر انہوں نے مستقل سکونت اختیار کر لی۔آپ کی ابتدائی زندگی بڑی تنگدستی میں گزری،تاہم

مشکلات کے باوجود علم کا شوق کم نہ ہوا۔

تحصیل علم:

امام شافعیؒ نے تحصیل علم کے لیے بہت سفر کئے۔آپ سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر چکے تھے، دس برس کی عمر میں آپ نے امام مالکؒ کی ''الموطا'' یاد کر لی تھی، پندرہ برس کی عمر میں فتوی دینے کی اجازت مل گئی تھی۔

آپ نے امام مالکؒ سے علم حاصل کیا اوران کی وفات تک مدینہ میں قیام کیا اس کے بعد مکہ واپس آئے اور وہاں آ کر کئی اساتذہ سے علم حاصل کیا جن میں مسلم بن خالد (۱۸۰ھ) سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) اور دیگر علمائے حدیث شامل ہیں۔

امام صاحبؒ فن لغت، فقہ حدیث کے عالم تھے اسکے علاوہ وہ عملی تجربہ بھی رکھتے تھے۔آپ اپنی خصوصیات کی وجہ سے ہی اہل الرائے اور اہل حدیث کے طریقوں کو متحد کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے آپ کا مذہب حنفی و مالکی مذہب کے بین بین تھا۔

۱۸۷ھ میں امام صاحبؒ بغداد آ گئے اور وہاں امام محمد بن حس الشیبانیؒ جیسے نامور حنفی فقیہ ومحدث سے ان کے گہرے مراسم ہو گئے اور امام صاحب نے مام محمد بن حسن الشیبانیؒ کی کتابیں اپنے لیے خود نقل کیں۔عراق فقہاء کا مسکن تھا، آپ نے ان سے تبادلہ خیالات کیا اور بعض اوقات مناظروں نے امام شافعی کے فکر وعمل پر گہرے نقوش چھوڑے بعد ازاں انہوں نے عراق چھوڑنے کا ارادہ کر لیا لہذا ۱۸۸ھ میں حراں اور شام سے ہوتے ہوئے مکہ چلے گئے۔

۱۹۵ھ میں دوبارہ بغداد آئے اور یہاں آ کر حلقہ درس قائم کیا۔یہاں رہتے ہوئے انہوں نے مصر کے والی عباس بن موسی کے بیٹے عبداللہ سے وابستگی پیدا کر لی اور پھر شوال ۱۹۸ھ میں مصر چلے گئے اور وہاں ہی فسطاط میں انہوں نے رجب ۲۰۴ھ میں وفات پائی اور المقصم کے دامن میں مدفون ہوئے۔

امام شافعیؒ کا کام و کتب:

امام شافعیؒ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصول احکام مرتب کئے اور اصول فقہ کو علمی حیثیت سے اپنے مشہور رسالے میں لکھا۔ آپ نے فقہی اجتہاد اور حدیث دونوں کو اپنایا۔ انہوں نے نہ صرف اس فقہی مواد پر مکمل عبور حاصل کیا جو موجود تھا بلکہ اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں اصول وطریق استدلال فقہ کی تحقیق کی۔ انہوں نے قیاس کے باقاعدہ قواعد وضوابط وضع کیے۔

امام شافعیؒ میں دو تخلیقی دور نمایاں طور پر نظر آتے ہیں:

ا۔ مقدم (عراقی) دور۔

۲۔ مؤخر (مصری) دور۔

امام احمد بن حنبلؒ نے امام شافعیؒ کے علم وفضل کو یوں داد دی ہے کہ ''اس قریشی نوجوان سے زیادہ کتاب اللہ کا فقیہ میری نظر سے آج تک نہیں گزرا''۔

امام شافعیؒ نے وسیع مطالعہ کیا اور مختلف مکاتیب فکر کے افکار ومسائل کا بغور جائزہ لیا اور انہیں اصول کی کسوٹی پر پرکھا۔ جس چیز کو کتاب وسنت کے مطابق پایا اس قبول کرلیا۔ امام شافعیؒ نے مختصر مدت اور بالخصوص آخری عمر میں بکثرت املا کرائی اور خود بھی لکھا۔

امام شافعیؒ نے مصر میں چار سال تک قیام کیا اور ڈیڑھ ہزار ورق املا کرائے بقول امام بیہقیؒ، امام شافعیؒ جدید کتب کی تصنیف کے وقت اپنی قدیم کتب کو سامنے رکھتے تھے۔ جس رائے میں کوئی تغیر نہ ہوتا اس کو باقی رکھتے اور قدیم نسخے قائم رکھتے لیکن البتہ جس میں رائے تبدیل ہو جاتی ان کتب کو ترمیم وتبدیل کے بعد دوبارہ لکھتے اور قدیم نسخوں کو ضائع کر دیتے۔

امام شافعیؒ تصنیف وتالیف کا کام مسجد میں بیٹھ کر کیا کرتے تھے ان کے تلامذہ ان کی کتابوں کی نقل وسماعت بھی کرتے تھے۔

کتب:

امام شافعیؒ کی تصانیف مکالمے کی صورت میں ہیں وہ مخالفین کا رد کرتے ہوئے ان کا نام نہیں لیتے، یہ تصانیف ان کے شاگردوں الربیع بن سلیمانؒ (م ۲۸۰ھ) کی روایت سے ہم تک پہنچی ہیں۔ دوسری البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) سے مروی ہیں، الغزالیؒ نے بھی ان کتب کا ذکر اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں کیا ہے۔

امام شافعیؒ کا ایک رسالہ اعتقادیہ'' بھی ہم تک پہنچا ہے جس کا نام ''وصیۃ الشافعی'' ہے۔

اصول فقہ میں امام شافعیؒ نے سب سے پہلے ''الرسالۃ'' تصنیف کیا جو مصر آنے سے پہلے عبدالرحمٰن بن مہدی کے لیے لکھا گیا تھا۔ امام صاحبؒ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے اصول فقہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ ان سے پہلے علماء وفقہاء اصول فقہ پر گفتگو تو کرتے تھے، استدلال سے کام بھی لیتے تھے لیکن دلائل شرعی کی معرفت کے لیے ان کے پاس قواعد کلیہ نہ تھے، امام شافعیؒ نے اصول فقہ مرتب کیے، ''الرسالۃ'' جو ہمارے یہاں مروج ہے امام شافعیؒ کی آخری عمر کی یادگار ہے۔ جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ جہاں قرآن مجید میں کوئی حکم موجود نہیں اور حدیث صحیح اور سنت میں اس امر کے بارے میں حکم موجود ہے تو وہ حکم کے برابر تصور کیا جائے گا کیونکہ اطاعت رسول بھی اطاعت قرآنی میں داخل ہے، امام شافعیؒ کے فقہی نظریئے کے مطابق آنحضرت ﷺ شارح بھی ہیں اور شارع بھی۔

''الرسالۃ'' کے دو قدیم مخطوطے ''دارالکتاب'' قاہرہ میں موجود ہیں۔

امام شافعیؒ کی تصنیف ''کتاب الام'' دو ہزار اوراق پر مشتمل تھی۔ امام صاحب نے مصر کے قیام کے دوران میں مسائل واحکام کے مختلف عنوانات پر اپنے شاگردوں کو املا کرانے کا سلسلے شروع کیا جو ان کی وفات تک جاری رہا۔ اسی املا میں چھوٹے چھوٹے رسائل بھی شامل ہیں اور ضخیم کتابیں بھی، ان کے اکثر وبیشتر رسائل وکتب ''کتاب الام'' میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

فقہاء کے گروہ:

امام شافعیؒ سے پہلے علماء وفقہائے اسلام دو نمایاں گروہ میں منقسم تھے:

۱۔ اہل حدیث۔

۲۔ اہل الرائے۔

ان دونوں گروہ کے طرز عمل میں خاصی شدت پائی جاتی تھی۔امام شافعیؒ کے انداز فکر اور طرز عمل سے دونوں جماعتوں کے درمیان مخالفت اور فرق کم ہوگیا اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے قریب آنے لگے ایک طرف ''اہل حدیث'' نے رائے کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا، دوسری جانب حدیث کے عام چرچے ہونے لگے اور حدیث سے استفادہ نسبتاً زیادہ ہونے لگا۔ چنانچہ یہ حضرات اہل حدیث کے قریب ہو گئے۔

امام شافعیؒ کے شاگرد:

امام شافعی کی سرگرمیوں کے دو بڑے مرکز بغداد اور مصر تھے۔جن اصحاب نے امام شافعیؒ سے عراق میں پڑھا ان میں کئی صاحب مذہب اور امام مجتہد بنے جن میں:

امام احمد بن حنبلؒ، داؤد ظاہریؒ، ابوثور بغدادی، اور ابوجعفر بن جریر طبری ہیں۔

امام شافعیؒ کے مصری شاگردوں میں سے مشہور یہ ہیں:

ابو یعقوب بویطی (م ۲۳۱ھ) اسماعیل مزنیؒ (م ۲۶۴ھ) مؤلف کتاب ''المختصر'' ربیع بن سلیمان مرادی (م ۲۷۰ھ) یہ کتاب شافعی کے راوی ہیں۔

مذہب شافعی کے لیے ابو حامد الغزالی کی خدمات بھی بہت اہم ہیں۔

فقہ شافعی کا فروغ وسعت:

شافعی مذہب کا مرکز قاہرہ اور بغداد تھے۔ چوتھی صدی ہجری میں ان دونوں شہروں میں شافعی مذہب کے مقلدین کا اضافہ ہونے لگا حالانکہ ابتداء ہی سے بغداد میں جو اس وقت اہل الرائے کا مرکز تھا۔ انہیں بڑی مشکلات درپیش رہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں مصر کے بعد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ان کے بڑے مرکز تھے۔ تیسری صدی ہجری کے اختتام کے آغاز تک انہوں نے شام میں اوزاعی کے مقابلے میں کافی کامیابی حاصل کی۔

المقدسیؒ کے زمانے میں شام، کرمان، بخارا اور خراسان کے بڑے حصے میں قاضی کا عہدہ شوافع ہی کے پاس تھا۔ شمالی الجزیرہ اور ویلم میں انہیں زبردست قوت حاصل ہو چکی تھی۔

مصر میں سلطان صلاح الدینؒ (۵۶۴ھ) کے عہد حکومت میں ان کا مذہب پھر غالب آ گیا۔ لیکن ۶۶۴ھ میں ملک الظاہر بیبرسی نے شوافع کے ساتھ باقی مذاہب ثلاثہ کے قاضی بھی مقرر کر دیئے۔

آل عثمان کے عروج سے پہلے کی آخری صدیوں میں اسلام کے مرکزی ممالک میں انہیں کامل غلبہ حاصل تھا۔ عہد عثمانی سلاطین کے دور میں دسویں صدی ہجری میں قسطنطنیہ سے شوافع کی جگہ حنفی قاضی مقرر ہو کر آنے لگے اور وہی امامت کراتے تھے۔

ادھر وسطی ایشیاء میں صفویوں کے عروج کے ساتھ قضاۃ شعیہ نے شوافع کی جگہ لے لی۔ تاہم مصر، شام، اور حجاز میں عوام شافعی مذہب ہی کے پابند رہے۔

''جامع الازہر'' میں اس وقت بھی شافعی فقہ کا ذوق وشوق سے مطالعہ ہوتا ہے۔ جنوبی عرب ۔ بحرین، ملائشیا، انڈونیشا، مصر، مشرقی افریقہ، داغستان، اور وسط ایشیاء کے بعض حصوں میں اسی وقت بھی شافعی مذہب ہی کو اقتدار حاصل ہے۔

مذہب حنبلی:

حنابلہ امام احمد بن حنبلؒ کے فقہی مسلک کے پیروکار کہلاتے ہیں۔ امام ابوعبداللہ احمد بن حنبلؒ مذہب اہل سنت میں چوتھے مذہب کے بانی ہیں۔ آپ ۱۶۴ھ میں بمقام بغداد پیدا ہوئے اور وہیں ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

امام احمد بن حنبلؒ اپنے عصر کے ایک بڑے امام ہیں، آپ نے طلب علم میں بڑی سیاحت کی اور تحصیل علم کے لیے شام، حجاز، یمن، کوفہ اور بصرہ کا سفر کیا۔ آپ نے بہت سی احادیث ''مسند امام احمد'' میں جمع کیں جس کی چھ جلدیں ہیں اور جس میں چالیس ہزار سے زیادہ احادیث ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ اجتہاد الرائے سے احتراز کرنے اور صرف قرآن وحدیث سے استدلال کرنے میں یہاں تک مشہور ہیں کہ بعض علماء نے آپ کو زمرہ مجتہدین سے زیادہ زمرہ محدثین میں شمار کیا ہے۔

امام صاحبؒ، امام شافعیؒ کے شاگردوں میں سب سے بلند پایہ تھے۔ مگر بعد میں آپ نے اپنے لیے ایک علیحدہ مذہب پسند کیا۔ چونکہ آپ اپنے مذہب اور عقیدے کے بڑے راسخ تھے اس لیے جب خلیفہ واثق باللہ نے آپ کو مجبور کرنا چاہا کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کریں تو آپ نے صاف انکار کردیا جس کی پاداش میں آپ پر بڑی سختیاں کی گئی اور قید وضرب کی سزائیں دی گئیں۔

آپ کے علاوہ اس دور میں دیگر علماء بھی اس جبر وتشدد کا نشانہ بنے جن میں امام شافعیؒ کے شاگرد بویطیؒ کو بھی قید کا حکم ملا اور بغداد میں قید کئے گئے، ان کے علاوہ اسی طرح ابن قیم الجوزیہؒ اور ان کے استاد تقی الدین ابن تیمیہؒ دمشق کے قلعے میں قید کئے گئے اور ابن تیمیہؒ نے اسی قید کی حالت میں ہی وفات پائی۔

لیکن یہ مذہب ان ہی حالات میں امام صاحبؒ اور ان کے شاگردوں کی کوششوں سے فروغ پاتا گیا اور اس کا ارتقاء جاری رہا۔

حنابلہ کا ارتقاء وجامع کتب:

حنبلی مذہب کے ارتقاء اور فروغ کے سلسلے میں امام صاحب کے کئی شاگرد اور پھر ان شاگرد بہت اہم مقام رکھتے ہیں۔ جنہوں نے جمع حدیث ودیگر کتب کا کام کیا:

۱۔ امام احمد بن حنبلؒ کے دو بیٹے صالح اور عبداللہ نے امام صاحبؒ کی مسند کی روایت میں بڑا حصہ لیا۔ ان میں سے بڑے صالح (۲۶۶ھ) نے طرطوس اور اصفہانی میں خلافت عباسیہ کے ایک قاضی کی حیثیت سے زندگی بسر کی، اور چھوٹے عبداللہ (م ۲۹۰ھ) نے مسند کی احادیث کو ایک خاص ترتیب دی اور کچھ اضافہ بھی کیے۔

۲۔ امام صاحبؒ سے جن لوگوں نے ان کے مذہب کی روایت کی ان میں مشہور ترین ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی عرف اثرام ہیں جنہوں نے ''السنن فی الفقہ'' کی تالیف کی۔

۳۔ حنبلی مسلک کی تاریخ میں ابوبکر الخلال کا نام بھی بہت اہم ہے۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ''الجامع'' میں امام صاحبؒ کی کتاب ''المسائل'' کو شامل کر کے اس پر بحث کی۔ آٹھویں صدی ہجری میں امام ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ نے اس کتاب سے بہت استفادہ کیا۔ حنبلی فقہ کی سب سے پہلی کتاب بھی الخلالؒ نے مرتب کی۔ جس کو بعد میں عبدالعزیز بن جعفر المعروف ''غلام الخلال'' نے مکمل کیا۔

علماء حنابلہ کا سیاسی تاریخ میں کردار:

خلافت عباسیہ کی مذہبی وسیاسی تاریخ میں حنابلہ نے جو نمایاں کردار ادا کیا وہ کسی تاریخ دان سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں البر (م ۳۲۹ھ) کی سرگرمیاں قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بھی دیگر علماء حنابلہ کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے جنہوں نے معتزلہ اور دوسرے فرقوں کے اثر سے مرکز خلافت کو محفوظ رکھنے کی بھرپور کوشش کی اور اتنا جوش دکھایا کہ ۳۲۳ھ میں خلیفہ الراضی کو حنبلی مسلک کے خلاف ایک فرمان جاری کرنا پڑا۔

آل بویہ کی بغداد آمد کے وقت حنبلی مسلک بغداد میں بہت مضبوط تھا۔ حنابلہ کی کوششیں مختلف خلفاء کے ادوار میں جاری رہیں۔

ایک عالم قاضی ابویعلی ابن الفراء (۴۰۸ھ) نے خلیفہ القائم کے زمانے میں اہل سنت کے مسلک کی پرزور تائید کی۔ خلافت بغداد کی آخری دو صدیوں میں طرح طرح کے سیاسی حادثے پیش آئے اور اہل سنت کے مسلک کے فروغ کے لیے جو کام ہو رہے تھے، قدرتی طور پر نما ہونے والے واقعات نے بھی ان کی تائید کی۔

طغرل بیگ نے ۴۴۷ھ نے بغداد پر قبضہ کرلیا اور ۴۶۷ھ میں دمشق میں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ المقتضی کے وزیر ابن ہبیرہ (م ۵۶۰ھ) جو کہ طویل عرصے تک منصب وزارت پر فائز رہے ان کا سیاسی مسلک تھا کہ خلافت کو سلجوقیوں کے اثر سے آزاد کرائیں اور فاطمین مصر کے اقتدار کا خاتمہ کریں۔ انہوں نے بھی حنبلی مسلک کے فروغ کے لیے کام کیا جس میں صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی شرح ''کتاب الافصاح'' کے نام سے لکھی۔

ایک اور نامور شخصیت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (م ۵۶۱ھ) تھے۔ طریقت میں سلسلہ قادریہ ان سے منسوب ہے۔ انہوں نے اصول میں حنبلی مسلک کی پیروی کی۔

ابوالفرج ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ فقیہ محدث مؤرخ اور سب سے بڑھ کر واعظ و مبلغ تھے۔ انہوں نے بھی خلیفہ المقتضی اور المستنجد کے زمانے میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کیا اور المستقضی کے دور میں وہ اپنے عروج پر رہے مگر خلیفہ الناصر کے زمانے میں ان اثر کم ہوگیا (۵۹۰ھ) میں وہ گرفتار کر لیئے گئے اور واسط میں پانچ سال نظر بند رہے اور رہائی کے کچھ عرصے بعد انتقال کر گئے انہوں نے بھی کئی کتابیں لکھیں اور ان کی تمام تصانیف عزت و تکریم سے دیکھی جاتی ہیں۔

حنبلی مسلک کا علاقائی پھیلاؤ تحریک وہابیت:

فلسطین اور شام میں ابوالفرج الشیرازی (م ۴۸۶ھ) اور ان کے فرزند عبدالوہاب (م

۵۳۶ھ) تھے یہ لوگ بھی حنبلی مسلک کی اشاعت کا باعث بنے۔زنگی اور ایوبی عہد حکومت میں حنبلی علماء کے دو اور خاندان مشہور تھے بنو منجا اور بنو قدامہ عثمانیہ کے دور میں بھی حنبلی مسلک کا خاصا اثر رہا اس زمانے کے عظیم ترین نمائندے ''ابن تیمیہؒ '' ہیں۔ان کا خاندان منگولوں کے حملے کے خطرے کے پیش نظر دمشق آ گیا تھا۔آپ نے یہاں ہی تعلیم حاصل کی۔آپ نے یہاں علوم دینی اور کلام فلسفہ میں بڑی دسترس حاصل کی اور بہت سے مناظرے کئے اور کلمہ حق بلند کرنے کی وجہ سے کئی مرتبہ معتوب ہوئے۔انہوں نے احیائے سنت اور رد بدعت والحاد کے سلسلے میں اسلام کی فکر دینی کی تاریخ پر اہم نشان چھوڑے ہیں۔

ان کے بڑے شاگرد ابن قیم الجوزیہؒ نے بھی حنبلی مسلک کے لیے اہم خدمات سرانجام دیں۔

مملوکوں کے دور میں آگے چل کر حنبلی مسلک جب شام میں کمزور ہو گیا تو مصر میں اس کا اثر رہا اور شام میں بھی جب تک حنبلی خاندان سرکاری مناصب پر فائز رہے وہ کافی بااثر رہے۔

عثمانیوں کے عہد میں حنبلی مسلک کی تاریخ کا اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ ''شیخ محمد بن عبدالوہاب'' (م۱۲۰۶ھ) کے زیر قیادت ایک مذہبی تحریک ''وہابیت'' کے نام سے فروغ پانے لگی۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ ۱۱۱۵ھ میں شہر عیینہ (نجد۔سعودی عرب) میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی۔ان کی کئی تصانیف ہیں۔انہوں نے اندھی تقلید کی مخالفت کی اور کہا کہ اسی تقلید نے امت مسلمہ کے ذہنوں کی تنقیدی نظر و فکر کو ختم کر ڈالا ہے۔شیخ صاحبؒ کے طرفدار اور متبعین کا دعوی یہ ہے کہ وہ حنبلی مسلک کے پیروکار ہیں۔لیکن بعض حنبلی عقائد میں شدت اختیار کرنے سے شیخ صاحب نے مخالفانہ رویہ اپنایا۔مگر ایک عرب امیر محمد بن سعود، شیخ صاحب کے ہم خیال بن گئے۔چنانچہ ۱۱۰۷ھ میں سعودی ریاست وجود میں آئی جو شیخ صاحب کی تحریک کا مرکز بن گئی، شیخ صاحب کی اہم تصنیف ''التوحید'' ہے شیخ صاحب نے اور ان کے پیروکاروں نے امام ابن تیمیہؒ کی کتابوں سے خاص استفادہ کیا۔

غرضیکہ اہل سنت کے مذاہب میں حنبلی مذہب سب سے کم پھیلا اس مذہب کا رواج ابتداء

میں بغداد میں ہوا اس کے بعد چوتھی صدی ہجری میں عراق کے بیرونی علاقے میں اور سب سے بعد میں چھٹی صدی ہجری میں مصر میں پھیلا۔ اس مذہب کی نشاۃ ثانیہ آئمہ مجتہدین ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن القیم الجوزیہؒ کے ذریعے ہوئی بعد میں بارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے اپنی اصلاحی تحریک کے سلسلے میں اسی مذہب کی تجدید واشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ چنانچہ جدید مذہب حنبلی وہابیوں کی پشت پناہی میں خوب پھیلا، خصوصا آل سعود کے عہد حکومت میں اس مذہب کو فروغ حاصل ہوا۔ آج بھی مملکت سعودی عرب کا یہی مذہب ہے اور عرب کے دیگر علاقوں میں بھی اس کے پیروکار ہیں فلسطین، شام اور عراق میں بھی یہ مذہب موجود ہے۔

فقہ کی تدوین کی سرکاری کوششیں:

عرب میں اسلام سے قبل عدالت کے نظام کی بنیادیں موجود تھیں، قریش میں بنی سہم کی حکومت قائم تھی۔ اسلام سے قبل عربوں کا معمول تھا کہ متمدن قبیلے معاشرہ کی تنظیم وفلاح کے لیے اجتماعی معاملات کی ذمہ داریاں آپس میں تقسیم کر لیتے تھے اس لیے بنی سہم کی اس حکومت کا مقصد عدل وانصاف قائم کرنا تھا۔ قریش اور دیگر وفود عرب بنی سہم کے سرداروں کے سیاسی باہمی جھگڑوں کا تصفیہ کرانے آتے تھے۔

عہد جاہلیت کے ممتاز قاضی یہ تھے:

ہاشم بن عبد مناف، ابولہب بن عبدالمطلب، عاص بن وائل، امیہ بن ابی، اور زہیر بن ابی سلمی۔

عہد رسالت میں عدالت:

ظہور اسلام کے بعد عدالت کے فرائض آنحضرت ﷺ کے ذمہ تھے۔ آپ ﷺ مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے باہمی معاملات کا فیصلہ فرماتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی حیثیت

شریعت اسلامی کے مبلغ کے ساتھ ساتھ ایک قاضی کی بھی تھی اور آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے سوا کوئی اور قاضی کے فرائض انجام نہ دیتا تھا جب اسلام پھیل گیا تو آپ ﷺ نے بعض صحابہ ؓ کو بھی قرآن وحدیث اور اجتہاد کے مطابق لوگوں کے درمیان جھگڑے طے کرنے کی اجازت دے دی۔
اس دور کے مشہور مفتیوں کی تعداد جن میں مرد وخواتین دونوں شامل تھے ایک سو اکتیس تھی۔

جن میں ممتاز سات تھے:

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

خلفاء راشدین کے عہد میں:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عمر کو قضاۃ کے عہدے پر مامور کیا تھا۔ مگر دو برس کے دوران ان کی عدالت میں کوئی مدعی حاضر نہ ہوا۔ اس لئے حضرت عمرؓ کی حضرت ابوبکرؓ کے قاضی کی حیثیت سے شہرت نہیں رہی ہے۔ البتہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب اسلام کا میدان عمل وسیع ہوا تو ایک بھرپور نظام عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے عالم اسلام میں قاضیوں کا تقرر فرمایا۔ ان قاضیوں کے سپرد خراج ونماز دونوں کی ذمہ داریاں سپرد کی گئی تھی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوالدرداءؓ، شریح بن حارث، ابوموسی الاشعریؓ، اور عثمان بن قیس کو بالترتیب مدینہ کوفہ، بصرہ اور مصر کا قاضی مقرر کیا۔

حضرت عثمانؓ کا عہد اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ ۳۰ھ میں قرآن کریم ایک قرات کے مطابق جمع ہوگیا۔ لیکن احادیث ابھی تک جمع نہ کی گئی تھیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے احادیث جمع کرنے کو اس لیے ناپسند فرمایا تھا کہ کہیں لوگ احادیث میں منہمک ہو کر قرآن کو نہ چھوڑ دیں۔

خلافت راشدہ میں "عدالت" حکومت کا ایک شعبہ تھا۔ اس کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ قاضی کے انتخاب میں غیر معمولی علمیت، تقوی اور منصفانہ فطرت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اس دور میں جن

جدید امور کے بارے میں ''نص صریح'' نہ ملتی ان میں قاضی اپنے اجتہاد سے کام لیتا تھا۔اس اجتہاد کی بنیاد قرآن وحدیث پر قائم ہوتی تھی۔اس دور میں قاضی کے فیصلے کے اندراج کے لیے فائل نہیں ہوتی تھی بلکہ ان فیصلوں کا نفاذ فوراً قاضی بذات خود کرادیا کرتا تھا۔

عہد بنوامیہ میں عدالت:

بنوامیہ کے عہد میں عدالت سے متعلق دوخصوصیات بہت نمایاں نظر آتی ہیں:

۱۔ قضاۃ اپنے فیصلے اپنے ''اجتہاد'' اور عقل وروایت کی روشنی میں کرتے تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک ''مذاہب اربعہ'' کا وجود نہ تھا۔اس لیے قاضی فصل مقدمات کے وقت صرف کتاب وسنت پر بھروسہ کرتے تھے اور دوسرے یہ کہ حدیث اس وقت تک فقہاء محدثین کے درمیان جنگ وجدال کا مرکز تھی اس لیے صحیح وغیرہ صحیح حدیث کا امتیاز بہت دشوار تھا۔البتہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے دوسری صدی ہجری کے اوائل میں احادیث جمع کرنے کا ارادہ کیا۔چنانچہ آپ نے ابوبکر بن حزمؒ کو احادیث تلاش کر کے ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیا مگر وہ اپنے انتقال کی وجہ سے اس کام کو پورا نہ کر سکے اس طرح مسائل متعلقہ معاملات بھی قانون شکل میں جمع نہ ہو سکے۔

۲۔ اس دور کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ عدالت کا محکمہ اپنے اختیارات وفرائض میں اموی فرمانروا کے اثر واقتدار سے بالکل آزاد تھا اور قاضی ایسے شخص کو مقرر کیا جاتا جو بلند سیرت، پرہیزگار، عالم مجتہد اور عدل وانصاف کے مقابلے میں دنیا کی کسی طاقت کی پروا نہ کرتا ہو۔

عہد بنوعباس میں عدالت:

عہد بنوعباس میں عدالتی نظام میں زبردست انقلاب پیدا ہوا، اس دور میں ''مذاہب اربعہ''

کے ظہور میں آ جانے کی وجہ سے اجتہادی روح میں ضعف آ گیا تھا اور قاضی کے فکر کا دائرہ انہیں مذاہب میں سے کسی نہ کسی حد تک محدود ہو گیا۔ اس دور میں عراق کے قاضی امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق شام اور بلاد مغرب کے قاضی امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق، اور مصر کے قاضی امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق کا فیصلہ کرتے تھے۔ اگر مدعی یا مدعا علیہ ایسے مذہب سے تعلق رکھتے ہوں جو عام طور پر اس شہر میں رائج نہ ہو تو اس وقت ان کے مقدمے کا فیصلہ کرتے ہوئے قاضی کسی ایسے شخص کو اپنا نائب بنا لیتے جو انہی (مدعی، مدعا علیہ) کے مذہب کا پیروکار ہوتا تھا۔

اس دور کے قاضی خلیفہ کے اثر و اقتدار سے آزاد نہ تھے، کیونکہ بنو عباسی حکمران اپنے تمام اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے اس غرض کے لیے وہ قاضیوں کی مدد چاہتے تھے اور قاضی کے انتخاب میں اس کا لحاظ بھی رکھا جاتا تھا کہ وہ ان کے رجحانات و خواہشات سے انحراف نہ کریں۔ اسی کا اثر تھا کہ بہت سے فقہاء قضاۃ کے منصب سے دامن بچاتے تھے۔ انہیں احساس تھا کہ شریعت اسلامی ان کے فرائض منصبی اور ضمیر کے خلاف فتوی دینے پر ان کو آمادہ کیا جائیگا۔

خلیفہ ابوجعفر المنصور کے دور میں ایک صاحب علم شخصیت عبداللہ بن مقفعؒ (م ۱۴۴ھ) نے اس ابتدائی عہد عباسی کے دوران مسائل میں لوگوں کی پریشان خیال دیکھتے ہوئے خلیفہ ابوجعفر المنصور کو ''رسالۃ الصحابۃ'' کے عنوان سے ایک تقریر لکھ بھیجی جس میں انہوں نے تجویز پیش کی کہ جس مسئلے کا خاطر خواہ جواب قرآن کریم و سنت میں نہ مل سکے اسی میں اجتہاد بالرائے سے کام لیا جاوے اور عدل و انصاف و فلاح عامہ کا لحاظ رکھا جائے اس کے علاوہ مسئلے میں سنت و قیاس کے وہ دلائل بھی پیش کئے جائیں جن میں ہر فرقے سے استدلال کیا گیا اور پھر امیر المؤمنین اس پر فیصلہ صادر کریں۔ مگر یہ تجویز اس خوف سے باعث رو بہ عمل نہ ہو سکی کہ کہیں فقہاء مسائل میں اجتہاد بالرائے کرتے وقت کسی غلطی کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ دوسرے فقہاء یہ بھی پسند نہ کرتے تھے کہ لوگوں کو اپنی تقلید پر مجبور کریں اور ان کے اعمال کی تمام ذمہ داری اپنے اوپر لے لیں۔

ابوجعفرؒ نے ۱۶۳ھ میں حج کے دوران امام مالکؒ کے سامنے اپنی تجویز پیش کی کہ:

''اے ابوعبداللہ آپ کتب فقہ کی اس طرح تدوین کریں کہ نہ تو اس میں عبداللہ بن عمرؓ جیسی سختی ہو، نہ عبداللہ بن عباسؓ نرمی اور نہ ابن مسعودؓ جیسی ندرت پسندی بلکہ ہر مسئلے میں ایسی راہ اعتدال اختیار کیجئے کہ ائمہ اور اصحاب سب متفق ہوں''۔

اور بعد میں یہ بھی بیان کیا کہ آپ کے علم اور کتب کو ہم لوگوں میں عام کردیں گے۔امام مالکؒ نے ''موطا'' لکھی لیکن آپ نے اپنے مذہب کی ترغیب دینے کو پسند نہ کیا۔

عباسیوں نے اپنی عہد میں ''قاضی القضاۃ'' کا منصب قائم کیا اس کا تقرر خلیفہ کی جانب سے ہوتا تھا قاضی القضاۃ دارالسلطنت میں قیام کرتا تھا اور وہ تمام عالم اسلامی میں قاضیوں کا تقرر کرنا۔اندلس میں قاضی القضاۃ کو ''قاضی الجماعۃ'' کہا جاتا تھا۔اس دور کے اہم قاضی القضاۃ یہ تھے۔

قاضی ابویوسفؒ قاضی یحی بن اکثم ،اور قاضی احمد بن ابی داوٗد۔یہ بالترتیب ہارون الرشید، مامون الرشید اور واثق باللہ کے عہد کے قاضی القضاۃ تھے جو کہ کافی اثر ورسوخ رکھتے تھے۔امویوں کے عہد میں ہر صوبے میں ایک قاضی مقرر کیا جاتا تھا لیکن عہد بنوعباس میں ہر صوبے میں ''مذاہب اربعہ'' کی نمائندگی کے لیے چار قاضی مقرر کئے جاتے تھے۔

اسی عہد بنوعباس میں ''صحاح ستہ'' کی تدوین ہوئی جن کو قرآن کے بعد صحیح ترین کتب بیان کیا جاتا ہے۔

''صحاح ستہ'' کے مصنف یہ ہیں:

امام بخاریؒ (۲۵۶ھ)، امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) ، امام ترمذیؒ (۲۷۳ھ)،امام ابوداوٗد، امام نسائی۔

تقلید کا میلان اور ذہنیت حضرت ابوالحسن الاشعریؒ کے ظہور کے بعد مسلمانوں میں خصوصیت کے ساتھ پیدا ہوئی۔

پروفیسر براؤن ڈوزی نے لکھا ہے کہ:

''معتزلہ کی موشگافیوں نے اہل سنت کے مذہب کو کبھی پنپنے نہ دیا متوکل کی وفات (۲۴۷ھ) کے تقریبا بارہ برس بعد اہل سنت میں ایک عظیم شخصیت ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئی انہوں نے معتزلہ کی آغوش میں نشو ونما پائی اور چالیس برس کی عمر تک ان سے تعلیمات حاصل کیں اور پھر اہل سنت کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا اور نہایت کامیاب رہے اور اپنی پوری زندگی صرف کر دی۔ یہ بلند پایہ شخصیت ابوالحسن الاشعریؒ کی تھی جو حضرت ابوموسی الاشعریؒ کی اولاد سے تھے انہوں نے تین سو سے زائد کتب لکھیں''۔

پانچویں صدی ہجری میں جب تقریبا معتزلہ کے مذہب کا خاتمہ ہوگیا تو امام اشعریؒ کی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوا۔

فتاوی عالمگیری:

گیارہویں صدی ہجری میں ہندوستان کے بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے فتاوی جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے شیخ نظامؒ کی زیر قیادت ہندوستان کے مشاہیر علماء کی ایک کمیٹی بنائی تا کہ وہ ایک ایسی جامع کتاب تالیف کرے۔ جس میں ظاہر روایات کے وہ تمام مسائل آجائیں جن پر تمام علمائے فقہ متفق ہیں اور جن کی رو سے بڑے بڑے علماء فتاوی دیتے ہیں۔ نیز اس میں ایسے فیصلے جمع کریں جنہیں تمام علماء کا حسن قبول حاصل ہو، چنانچہ انہوں نے اس قسم کے تمام مسائل فقہیہ ایک کتاب میں جمع کردیئے جو ''فتاوی ہندیہ'' یا ''فتاوی عالمگیری'' کے نام سے مشہور ہے اور جن کی نسبت بادشاہ عالمگیر کی طرف ہے۔

یہ کتاب ایک جامع کتاب ہے جس کی چھ ضخیم جلدیں ہیں۔ اس میں فقہ اسلامی کی دیگر

کتابوں کی طرح عبادات و معاملات دونوں قسم کے مسائل ہیں یہ کتاب فقہ حنفی کا مشہور ماخذ رہی ہے۔

عہد عثمانیہ ترکی میں قوانین کی تدوین:

عہد عثمانی میں بھی ایک طویل عرصے تک سرکاری طور پر قوانین فقہیہ کی تدوین نہ ہوئی، جو شخص کسی مسئلے کے بارے میں حکم شرعی معلوم کرنا چاہتا وہ یا تو فقہ کی کتابوں اور ان کی شروح وحواشی میں اسے تلاش کرتا تھا یا فتاوی کی مختلف کتابوں میں۔

انیسویں صدی عیسوی میں جب یورپ کے قوانین جدیدہ کی تدوین ہوئی تو حکومت عثمانیہ نے بھی ایسے قوانین کی تدوین ضروری سمجھی جو دور جدید کے تقاضی کو پورا کر سکیں۔

چنانچہ ۱۸۵۰ھ میں فرانسیسی قانون کے مطابق قانون تجارت نافذ کیا گیا اور ۱۸۵۸ھ میں قانون اراضی نافذ ہوا۔ اس کے بعد فرانسیسی قانون کے نمونے پر قانون فوجداری وضع کیا گیا لیکن بعد میں اس میں اطالوی قانون کے مطابق بہت سی ترمیم کردی گئیں۔ پھر ۱۸۶۱ھ میں تجارتی عدالتوں کا قانون اساسی نافذ ہوا۔ اسی طرح مختلف نوعیت کے قوانین وقت کے ساتھ ساتھ جاری کئے گئے۔

حکومت عثمانیہ کی قانونی کتابیں غیر ملکی قوانین سے متاثر ہیں۔ چنانچہ ان کا اکثر حصہ ترتیب ابواب کے لحاظ سے بھی اور الفاظ ومفہوم کے اعتبار سے بھی غیر ملکی قوانین سے ماخوذ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت عثمانیہ کی بعض کتابیں تو شریعت اسلامی کے موافق ہیں اور بعض مخالف مثلا حکومت عثمانیہ کے قانون تعزیرات نے شریعت اسلامی کی بعض سزاؤں کو برقرار نہیں رکھا تھا۔ جیسے (چور کا ہاتھ کاٹنا اور کوڑے لگانا وغیرہ)۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ:

یورپی مملکتوں کی طرح حکومت عثمانیہ نے بھی قانون وضع کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے علمائے قانون کی ایک مجلس زیر قیادت احمد جودت پاشا سات ارکان پر مشتمل کمیٹی قائم کی۔ مجلس کا مقصد یہ

تھا کہ فقہی مسائل کے بارے میں ایک ایسی کتاب تالیف کی جائے جو باضابطہ ہو، اور ہر ایک کے لیے اس کا مطالعہ آسان ہو۔

مجلس ۱۸۶۹ھ تک قانون سازی کے کام میں مصروف رہی۔ مجلّہ کی تالیف ۱۸۷۶ء میں مکمل ہوگئی چنانچہ اس طرح حکومت عثمانیہ کے قانون مدنی کی تدوین ہوئی جو سلطان ترکی کے حکم سے ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' کے نام سے شائع ہوا۔

''مجلّہ'' کے اکثر احکام ومسائل حنفی مذہب کے ظاہر الروایہ کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ جن معاملات میں اختلاف ہے وہاں ''مجلّہ'' میں وہ مسلک اختیار کیا گیا ہے جو زمانے کے تقاضوں اور مصلحت عامہ کے لحاظ سے زیادہ نفع بخش ہے۔ فتاوی عالمگیری اور فقہ اسلامی کی دیگر کتابوں کے برخلاف ''مجلّہ'' میں عبادات وتعزیرات کے مسائل بیان نہیں کئے ہیں بلکہ اس میں صرف ان مسائل کا ذکر ہے جن کا تعلق تمدنی زندگی کے معاملات سے ہے۔